

مغربی کنارے پر اپارٹھائیڈ

اپنی پچھلی تحریروں میں، میں نے بنیادی طور پر غزہ پر توجہ دی ہے۔ ایک ایسی جگہ جو اب جدید انسانی تاریخ میں بے مثال تباہی کا سامنا کر رہی ہے۔ تباہی کا پیمانہ حیران کن ہے: ایک ایسا علاقہ جو ہیروشیما کے صرف ایک تہائی سائز کا ہے، اسے سات ایٹم بموں کے برابر دھماکہ خیز طاقت سے بمباری کی گئی ہے۔ انسانی تہذیب کے تمام آثار مٹا دیے گئے ہیں۔ کم از کم 60,000 فلسطینیوں کی موت کی تصدیق ہوئی ہے، لیکن ماہرین کا اندازہ ہے کہ اصل اموات کی تعداد 400,000 کے قریب ہو سکتی ہے۔ جو کہ غزہ کی آبادی کا تقریباً پانچواں حصہ ہے۔

تباہی کا یہ پیمانہ کچھ لوگوں کو یہ گمان کرنے پر مجبور کر سکتا ہے کہ مغربی کنارے پر زندگی بہتر ہے، جہاں نہ حماس ہے نہ مسلح مزاحمت۔ ایک ماڈل جسے فرانس اور کئی عرب حکومتوں نے فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کی شرط کے طور پر تجویز کیا ہے۔ لیکن یہ گمان خطرناک طور پر غلط ہے۔

اس مضمون میں، میں مغربی کنارے پر قبضے کے تحت زندگی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ یہ زیادہ پر امن ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ ایک سست، زیادہ حساب شدہ خاتمے کا نظام ہے۔ ایک ایسا نظام جو بموں اور ناکہ بندیوں کے ذریعے نہیں، بلکہ بیوروکریسی، زمین کی چوری، اپارٹھائیڈ قوانین، اور آبادکاروں کے بے روک ٹوک تشدد کے ذریعے نافذ کیا جاتا ہے۔

رینگتا ہوا الحاق

اقوام متحدہ کے 1947 کے تقسیم کے منصوبے کے مطابق، مغربی کنارہ ایک عرب ریاست کا حصہ ہونا تھا۔ ایک مربوط فلسطینی علاقہ۔ یہ خواب کبھی حقیقت نہ بن سکا۔ آج جو کچھ موجود ہے وہ نہ تو ایک قابل عمل ریاست ہے اور نہ ہی ایک مربوط علاقہ، بلکہ اسرائیلی کنٹرول کے مختلف درجات کے تحت ٹوٹا ہوا اور سکڑتا ہوا فلسطینی انکلیوؤں کا ایک سلسلہ ہے۔ یہ کوئی اتفاق نہیں ہے۔ یہ دہائیوں سے جاری اسرائیلی پالیسی کا نتیجہ ہے جو مستقل علاقائی توسیع، فلسطینیوں کی بے دخلی، اور زمینوں کے الحاق کے لیے بنائی گئی ہے۔

اسرائیلی حکومت نے مغربی کنارے کو عملاً تین قسم کے زونز میں تقسیم کر دیا ہے:

1. عملاً الحاق شدہ زونز۔ یہ علاقے، جو زیادہ تر بڑی اسرائیلی بستیوں کے اندر اور آس پاس ہیں، مکمل طور پر اسرائیلی سول اور فوجی کنٹرول کے تحت ہیں۔ یہ اسرائیل کے بنیادی ڈھانچے کے نیٹ ورک میں شامل کیے گئے ہیں، انہیں اسرائیلی میونسپل خدمات ملتی ہیں، اور اکثر فوج کے بجائے اسرائیلی پولیس ان کی نگرانی کرتی ہے۔ ان علاقوں میں آباد کار اسرائیلی شہری ہیں جن کے مکمل قانونی حقوق، ووٹ دینے کا حق، اور نقل و حرکت کی آزادی ہے۔ ان کے فلسطینی پڑوسی، جو اکثر صرف چند سو میٹر دور رہتے ہیں، فوجی قانون اور اپارٹھائڈ طرز کے پابندیوں کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔

2. فعال نسلی صفائی کے تحت زونز۔ فلسطین کے دیہی علاقوں کو تخریب، بے دخلی، اور نوآبادی کاری کے لیے نشانہ بنایا جاتا ہے۔ خان الاحمر، مسفریٹا، اور عین سمیہ جیسے پورے دیہات بار بار تخریب کے احکامات کا سامنا کرتے ہیں۔ فلسطینی گھروں کو باقاعدگی سے تعمیراتی اجازت نامے سے انکار کیا جاتا ہے، انہیں غیر قانونی قرار دیا جاتا ہے، اور اسرائیلی سول انتظامیہ کے بلڈوزروں سے منہدم کر دیا جاتا ہے۔ اسی دوران، اسرائیلی قانون کے تحت بھی تکنیکی طور پر غیر قانونی اسرائیلی چوکیوں کو بعد میں قانونی حیثیت دی جاتی ہے اور انہیں سڑکوں، پانی، اور بجلی سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ پانی کی فراہمی آبادکاروں کی طرف موڑ دی جاتی ہے، جبکہ فلسطینی برادریاں واٹر ٹینکرز پر انحصار کرتی ہیں۔ داخلے کی سڑکیں فلسطینیوں کے لیے بند کر دی جاتی ہیں اور "صرف اسرائیلیوں کے لیے" نشان زد کی جاتی ہیں۔ چراگاہیں اور زیتون کے باغات ضبط کر لیے جاتے ہیں یا ناقابل رسائی بنائے جاتے ہیں۔ فوج کی طرف سے اکثر حمایت یا لاپرواہی کے ساتھ آبادکاروں کا تشدد فلسطینیوں کو ان کی زمینوں سے نکالنے کے لیے ایک اسٹریجک ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

3. فلسطینی اتھارٹی کے برائے نام کنٹرول کے تحت علاقے (ایر یا A)۔ اوسلو معاہدوں کے مطابق، یہ زونز مکمل فلسطینی سول اور سیکورٹی کنٹرول کے تحت ہونے چاہیے تھے، لیکن یہ اسرائیلی کنٹرول والے علاقوں سے گھرے ہوئے گھٹن زدہ انگلیو ہیں۔ داخلہ اور اخراج اسرائیلی چیک پوائنٹس، بندشوں، اور کریفوز کے تابع ہیں۔ فلسطینی رام اللہ، نابلس، یا بیرون جیسے شہروں کے درمیان اسرائیلی فوجی رکاوٹوں سے گزرے بغیر آزادانہ طور پر نقل و حرکت نہیں کر سکتے۔ فلسطینیوں کے استعمال سے منع کی گئی سڑکیں زمین کو کاٹتی ہیں، بستیوں کو جوڑتی ہیں جبکہ فلسطینی شہروں کو گھیرتی ہیں۔ ایر یا A میں بھی اسرائیلی چھاپے اکثر ہوتے ہیں۔ فلسطینی اتھارٹی کے پاس انہیں روکنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس کی سیکورٹی فورسز عملاً قبضے کے تحت استحکام برقرار رکھنے اور فلسطینی مزاحمت کو دبانے کے لیے ٹھیکیدار کے طور پر کام کرتی ہیں۔

یہ کنٹرول میٹرکس ایک سست الحاق کے مترادف ہے۔ اسے کسی ایک قانون یا اعلان سے نشان زد نہیں کیا جاتا، بلکہ بستیوں کے بلاکس، فوجی زونز، بانی پاس روڈز، اور بیوروکریٹک تسلط کے آلات کی مسلسل توسیع سے۔ فلسطینی موجودگی غیر یقینی اور عارضی بن جاتی ہے، جبکہ اسرائیلی آبادکاروں کی موجودگی مستقل اور مسلسل پھیلتی ہوئی بنائی جاتی ہے۔

مغربی کنارے پر کوئی ”سٹیٹس“ نہیں ہے۔ سٹیٹس کو حرکت ہے: مکمل اسرائیلی کنٹرول اور ایک خود مختار فلسطینی ریاست کے لسی بھی امکان کے خاتمے کی طرف ایک رینگتا ہوا، حساب شدہ حرکت۔ ہر روز، نقشہ تھوڑا سا بدلتا ہے۔ ایک اور پہاڑی پر قبضہ کیا جاتا ہے، ایک اور گاؤں الگ تھلگ کر دیا جاتا ہے، ایک اور زیتون کا باغ تباہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ کوئی جمود کی حالت نہیں ہے۔ یہ ایک فعال نوآبادیاتی عمل ہے۔

مغربی کنارے پر سفر: روزانہ کا جوا

مغربی کنارے کے فلسطینیوں کے لیے، سب سے معمولی سفر بھی۔ اسکول، کام، ہسپتال، یا قریبی گاؤں تک۔ جان لیوا امتحان بن سکتا ہے۔ اسرائیلی فوجی چیک پوائنٹس اور آبادکاروں کے لیے بانی پاس روڈز علاقے کو درجنوں ٹکڑوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ جو سفر 10 منٹ کا ہونا چاہیے وہ گھنٹوں لگ سکتا ہے یا بالکل نہ ہو سکے۔

سفر ایک جوا ہے کیونکہ:

- چیک پوائنٹس کی غیر یقینی صورتحال: مغربی کنارے بھر میں 500 سے زائد مستقل اور عارضی چیک پوائنٹس پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی بغیر پیشگی اطلاع کے منٹوں یا دنوں کے لیے بند کیا جاسکتا ہے۔ فوجی مسافروں کو من مانی طور پر روک سکتے ہیں، گاڑیوں کی تلاشی لے سکتے ہیں، یا بغیر وجہ بتائے گزرنے سے انکار کر سکتے ہیں۔
- فوجی بندشیں: اکثر احتجاج یا آبادکاروں کے واقعات کے جواب میں پورے علاقوں کو ”بند فوجی زونز“ قرار دیا جاتا ہے۔ بندشوں کے دوران، فلسطینی اپنے گھروں میں قید ہوتے ہیں، کام، اسکول، یا علاج کے لیے باہر نہیں جاسکتے۔
- آبادکاروں کے لیے سرٹکیں اور گاڑیوں کی پابندیاں: مغربی کنارے کی بہت سی سرٹکیں صرف اسرائیلی آبادکاروں کے لیے مختص ہیں۔ فلسطینیوں کو ان کے استعمال سے منع کیا جاتا ہے، انہیں طویل، کم دیکھ بھال شدہ، اور سخت نگرانی والے راستوں پر مجبور کیا جاتا ہے۔ گاڑیوں کی ضبطی اور جرمانے عام ہیں۔
- من مانی گرفتاریاں اور حراست: کسی بھی چیک پوائنٹ پر ایک فلسطینی کو، خاص طور پر اگر اس کا نام فوج کے ڈیٹا بیس میں ہے، بغیر کسی الزام کے گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ اس ڈیٹا بیس میں نابالغین، طلبہ، یا کارکن شامل ہو سکتے

ہیں۔ حراست کا مطلب اکثر بغیر مقدمے کے فوجی جیل میں دنوں یا مہینوں کی قید ہو سکتا ہے۔

• ہراسانی اور ذلت: فوجی باقاعدگی سے فلسطینیوں کو زبانی توہین، دخل اندازی تلاشیوں، اور گھنٹوں کی تاخیر کا سامنا کراتے

ہیں۔ اس طرح کے سلوک کے لیے کوئی قانونی راہ یا جوابدہی نہیں ہے۔

• گھات اور فائرنگ: دستاویزی کیسز موجود ہیں جہاں اسرائیلی فوجیوں یا آبادکاروں نے مشکوک سمجھی جانے والی یا

کافی تیزی سے نہ رکنے والی گاڑیوں پر فائرنگ کی۔ یہ اکثر مہلک ہوتے ہیں، اور تفتیش۔ اگر شروع کی جاتی ہے۔ شاذ

و نادر ہی نتائج دیتی ہے۔

• سڑکوں پر آبادکاروں کا تشدد: آبادکار باقاعدگی سے فلسطینی گاڑیوں پر پتھر پھینکتے ہیں، سڑکیں بلا سزا بند کرتے ہیں، اور حتیٰ

کہ گاڑیوں اور مسافروں پر حملہ کرتے ہیں۔ اسرائیلی فورسز اکثر ایک طرف کھڑی ہوتی ہیں یا آبادکاروں کی حفاظت کرتی

ہیں۔

اس ٹکڑوں میں بٹے ہوئے نظام میں نقل و حرکت کی آزادی موجود نہیں۔ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک سفر کرنے کی

صلاحیت۔ ہسپتال، خاندان سے ملنے، سامان کی ترسیل۔ فوجی احکامات، آبادکاروں کی جارحیت، اور بیوروکریٹک

کنٹرول کے مسلسل بدلتے ہوئے میٹرکس پر منحصر ہے۔

یہ صرف ایک تکلیف نہیں ہے؛ یہ ایک حساب شدہ گلا گھونٹنے کا نظام ہے۔ جو عام زندگی کو ناممکن بنانے، برادریوں کو الگ

تھلگ کرنے، اور فلسطینیوں کو ان کی زمینوں سے نکالنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔

بے دخلی کے میکانزم: آبادکاروں کا تشدد

مقبوضہ مغربی کنارے پر زبردستی بے دخلی ہمیشہ سرکاری اعلانات یا براہ راست فوجی احکامات سے نہیں آتی۔ زیادہ تر یہ اسرائیلی

آبادکاروں کے ذریعے منظم کردہ ایک سست، حساب شدہ دہشت گردی کی مہم کے ذریعے سامنے آتی ہے۔ ایک ایسی مہم جسے

پورے اسرائیلی ریاستی مشینری کی طرف سے برداشت کیا جاتا ہے، تحفظ دیا جاتا ہے، اور بالآخر حمایت کی جاتی ہے۔ یہ تشدد بے

ترتیب نہیں ہے۔ یہ منظم ہے، اسٹریٹجک ہے، اور اس کا مقصد فلسطینیوں کو ان کی زمینوں سے نکالنا ہے۔

یہ عمل عام طور پر تین بڑھتے ہوئے مراحل میں ترقی کرتا ہے:

1. دھمکی اور نجی گھروں میں گھسنا

پہلا مرحلہ اکثر آبادکاروں کے بغیر دعوت کے فلسطینی املاک میں داخل ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ وہ دن کے وقت آتے ہیں، لکھی کبھی گروہوں میں، اکثر مسلح۔ وہ ایک فلسطینی خاندان کے گھر میں داخل ہو سکتے ہیں اور اس کے رہنے والے کمرے میں اس طرح ڈیرہ ڈال سکتے ہیں جیسے یہ ان کا اپنا گھر ہو۔ وہ باورچی خانے سے کھانا کھاتے ہیں، خاندان کی توہین کرتے ہیں، نسلی توہین آمیز طعنے دیتے ہیں، فرنیچر کو نقصان پہنچاتے ہیں، کھڑکیاں توڑتے ہیں، گرافٹی چھڑکتے ہیں، یا فرش پر پیشاب کرتے ہیں۔ یہ اقدامات گہری طور پر ذلت آمیز ہیں۔ نہ صرف رازداری کی خلاف ورزی، بلکہ تسلط قائم کرنے اور خوف پیدا کرنے کی دانستہ کوششیں ہیں۔

ایسے گھساؤ بے ترتیب واقعات تک محدود نہیں ہیں۔ یہ بار بار اور ہدف بنائے جاتے ہیں، رہائشیوں کی مرضی کو توڑنے کے لیے۔ پیغام واضح ہے: ”یہ اب تمہاری زمین نہیں ہے۔“ اور فلسطینی جانتے ہیں کہ اگر وہ مزاحمت کریں گے تو انہیں گرفتاری، زخمی ہونے، یا اس سے بھی بدتر کا خطرہ ہوگا۔ نہ اس لیے کہ وہ گھسنے والوں کو ہٹاتے ہیں، بلکہ ”اکسانے“ یا آبادکاروں پر ”حملہ“ کے الزام میں۔

2. روزگار کے ذرائع کی تباہی

اگر دھمکی ایک خاندان کو جانے پر مجبور نہ کرے، تو آبادکار اکثر ان کے روزگار کے ذرائع پر حملہ کر کے شدت بڑھاتے ہیں۔ وہ صدیوں پرانے زیتون کے درختوں کو کاٹ دیتے ہیں۔ جو نہ صرف آمدنی بلکہ ثقافتی ورثے کی علامت ہیں۔ وہ فصلوں کو زہر دیتے ہیں یا اکھاڑ دیتے ہیں، ریوڑوں کو بکھیر دیتے ہیں، بھیڑوں کو چوری کرتے ہیں یا ذبح کرتے ہیں۔ پانی کے ٹینک اور ایریگیشن پائپ۔ جو دیہی علاقوں میں، جہاں اسرائیلی کنٹرول والے واٹر گرڈ تک رسائی نہیں ہے، حیاتیاتی اہمیت رکھتے ہیں۔ تباہ کر دیے جاتے ہیں یا گولیوں سے چھید دیے جاتے ہیں۔ کنوئیں پتھروں یا سیمنٹ سے بھر دیے جاتے ہیں۔

یہ تباہی بے ترتیب توڑ پھوڑ نہیں ہے۔ یہ زراعت کو ناممکن بنانے کی ایک حکمت عملی ہے۔ بغیر فصلوں، بغیر مویشیوں، بغیر پانی کے، فلسطینی خاندانوں کو زندہ رہنے کے لیے کہیں اور جانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ مقصد صرف نقصان پہنچانا نہیں ہے، بلکہ زمین کو اس کے رہائشیوں سے خالی کرنا ہے۔

3. تخریب اور آگ زنی

آخر میں، جب فلسطینی اب بھی جانے سے انکار کرتے ہیں، تو آبادکار خود گھروں کو نشانہ بناتے ہیں۔ کبھی وہ بلڈوزر اور ایکسکیویٹر لاتے ہیں۔ کبھی وہ رات کو گھروں کو آگ لگاتے ہیں، خاندانوں کو اندر پھنساتے ہیں یا انہیں بغیر کچھ لیے بھاگنے پر مجبور کرتے

ہیں۔ ویڈیوز اور عینی شاہدین کے بیانات جلتے ہوئے گھروں، چوری شدہ اشیاء، اور پورے دیہات کے راکھ بن جانے کی دستاویز کرتے ہیں۔

یہ تباہی اکثر ایک واضح پیٹرن کی پیروی کرتی ہے: ایک دن آگ یا تخریب، اگلے دن ایک چوکی کی توسیع۔ جب زمین صاف ہو جاتی ہے، تو آبادکار اندر آتے ہیں۔ ٹریلرز، باڑیں، اور عبادت گاہیں بناتے ہیں۔ یہ غیر قانونی چوکیاں پھر سڑکوں، بجلی، اور پانی سے جوڑ دی جاتی ہیں۔ وہ تیزی سے ”معمولی“ بن جاتی ہیں، اسرائیلی فوج کی طرف سے محفوظ کی جاتی ہیں، اور بالآخر اسرائیلی حکومت کی طرف سے بعد میں قانونی حیثیت دی جاتی ہیں۔

سزا سے استثنیٰ اور جبر

ہر مرحلے پر۔ گھروں میں گھسنا، روزگار کے ذرائع کی تباہی، تخریب۔ فلسطینیوں کے لیے پیغام ایک ہی ہے: چلے جاؤ یا تباہ ہو جاؤ۔

اور ہر صورت میں سزا سے استثنیٰ کی ضمانت دی جاتی ہے۔ فلسطینی اتھارٹی کے پاس ان علاقوں میں کوئی اختیار نہیں ہے اور وہ اسرائیلی انتقامی کارروائیوں کے خوف سے آبادکاروں کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرتی۔ اسرائیلی پولیس اور فوج باقاعدگی سے آنکھیں بند کرتی ہیں۔ جب تک کہ فلسطینی مزاحمت نہ کریں۔ اس صورت میں رد عمل فوری ہوتا ہے: گرفتاریاں، مار پیٹ، اصلی گولیاں، فوجی چھاپے۔ مزاحمت کو جرم بنایا جاتا ہے، جبکہ آبادکاروں کا تشدد جائز قرار دیا جاتا ہے یا انکار کیا جاتا ہے۔ متاثرین کے پاس انصاف مانگنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

جو نتیجہ نکلتا ہے وہ آبادکاروں کے لیے بے قانونیت کا نظام اور فلسطینیوں کے خلاف قانونی جنگ ہے۔ سزا سے استثنیٰ اور جبر کا دوہرا نظام۔ آبادکار الحاق کے پیش رو کے طور پر کام کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں جو اسرائیلی حکومت ابھی تک کھلے عام نہیں کر سکتی: فلسطینیوں کو ان کی زمینوں سے زبردستی نکالنا۔

یہ خود بخود یا فطری نہیں ہے۔ یہ ایک پالیسی ہے۔ ایک طریقہ۔ ایک بے دخلی کی حکمت عملی جو شہریوں کے ذریعے نافذ کی جاتی ہے، ریاست کی طرف سے منظور کی جاتی ہے، اور فوج کی طرف سے برقرار رکھی جاتی ہے۔

پانی کو ہتھیار کے طور پر استعمال

زندگی کی سب سے بنیادی ضرورت، پانی، مغربی کنارے پر ایک تسلط کا آلہ بن چکا ہے۔ اگرچہ حکمت عملی وقت کے ساتھ بدل لئی ہے، لیکن مقصد وہی رہا ہے: فلسطینی وجود کو ناقابل برداشت بنانا۔ پانی کا جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال۔ جو کبھی کھلم کھلا اور حیاتیاتی تھا، اب ساختی اور بنیادی ڈھانچہ جاتی ہے۔ اسرائیلی قبضے کے نظام کا ایک بنیادی ستون ہے۔

تاریخی متوازیات: زہر سے کنٹرول تک

نقبہ کے ابتدائی دنوں میں، اسرائیلی ملیشیا اور سائنسدانوں نے فلسطینی شہریوں کے خلاف حیاتیاتی جنگ کی منصوبہ بندی کی اور بعض اوقات اسے نافذ کیا۔ سب سے بدنام زمانہ واقعات میں سے ایک فلسطینی دیہات کے کنوؤں کو ٹائفائیڈ بیکٹیریا سے زہر آلود کرنا تھا تاکہ پناہ گزینوں کی واپسی کو روکا جاسکے۔ یہ کوئی افسانہ یا یہود دشمنی کا ”خون کا الزام“ نہیں ہے۔ یہ ایک اچھی طرح سے دستاویزی تاریخی حقیقت ہے۔ اسرائیلی آرکائیوز ان آپریشنز کی تصدیق کرتے ہیں، جن میں 1948 میں عکا اور عین کریم گاؤں میں پانی کے ذرائع کو جان بوجھ کر آلودہ کیا گیا تھا۔

اس عمل کی ہولناکی اس کے یہودی تاریخ میں گونج سے بڑھ جاتی ہے: این فرینک، بہت سے دوسروں کی طرح، گیس چیمبر میں نہیں، بلکہ برگن-بیلزن میں ٹائفائیڈ سے، جو پانی سے پھیلنے والی بیماری ہے، مر گئی۔ یہ کہ ایک ایسی ریاست جو ہولوکاسٹ کے متاثرین کی نمائندگی کرنے کا دعویٰ کرتی ہے، نے بعد میں دوسرے لوگوں کے خلاف اسی طرح کی حکمت عملی استعمال کی، تاریخ کی ایک گھناؤنی ستم ظریفی ہے۔

جدید حکمت عملی: تخریب کاری اور چوری

آج حکمت عملی حیاتیاتی جنگ سے بنیادی ڈھانچہ جاتی تخریب کاری اور چوری کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ آباد کار۔ اکثر بغیر سزا کے اور بعض اوقات فوجی تحفظ کے تحت۔ فلسطینی پانی کے نظاموں کو پورے مغربی کنارے میں تباہ کرتے ہیں:

- وہ کمیونٹی واٹر ٹینکوں میں نہاتے ہیں، ذخائر کو آلودہ کرتے ہیں۔
- وہ ایریگیشن پائپوں کو تباہ کرتے ہیں اور ذرائع تک رسائی کے راستوں کو روکتے ہیں۔
- وہ چھتوں پر پانی کے ٹینکوں پر گولیاں چلاتے ہیں، گرمی کی گرمی میں ہزاروں لیٹر ضائع کر دیتے ہیں۔
- وہ کنوؤں کو پتھروں، سیمنٹ، یا کچرے سے بھر دیتے ہیں، انہیں ناقابل استعمال بناتے ہیں۔

جولائی 2025 میں، آباد کاروں نے عین سمیہ کے قریب 30 سے زائد فلسطینی دیہات سے پانی کی فراہمی کو دوبارہ موڑ دیا۔ نازک ضروریات کو پورا کرنے کے لیے نہیں، بلکہ قریبی بستی میں ایک نجی سوئمنگ پول بھرنے کے لیے۔ پوری برادریوں

نے اپنا واحد پیٹھ پانی کا ذریعہ کھو دیا جبکہ آباد کار عیش و عشرت میں تیراکی کر رہے تھے۔ یہ غفلت نہیں ہے؛ یہ برتری کا اعلان ہے۔

ادارہ جاتی کنٹرول: میکوروٹ اور فوجی احکامات

آباد کاروں کی تخریب کاری ایک وسیع تر اسرائیلی ریاستی کنٹرول کے نظام کے اندر۔ اور اس کی طرف سے ممکن بنائی گئی۔ ہوتی ہے۔ یہ نظام فوجی حکم 158 سے جڑا ہوا ہے، جو 1967 میں قبضے کے آغاز کے چند ہفتوں بعد جاری کیا گیا تھا۔ یہ فلسطینیوں سے نئی پانی کی تنصیبات یا مرمت کے لیے اجازت نامہ طلب کرتا ہے۔ یہ اجازت نامے تقریباً کبھی نہیں دیے جاتے۔ اسرائیل مغربی کنارے کے پانی کے وسائل کا تقریباً 80-85% کنٹرول کرتا ہے، جس میں بڑے ایکوفز، چشمے، اور کنوئیں شامل ہیں۔ قومی واٹر کمپنی میکوروٹ تقسیم کی نگرانی کرتی ہے۔ نتیجہ ایک واضح عدم مساوات ہے:

- نکالے گئے پانی کا 52% خود اسرائیل کو جاتا ہے۔
- 32% بستیوں کو جاتا ہے۔ جو بین الاقوامی قانون کے تحت غیر قانونی ہیں۔
- صرف 16% مغربی کنارے کے لاکھوں فلسطینیوں کے لیے باقی رہتا ہے۔

بستیاں سرسبز لان، سیراب شدہ فارم، اور سوئمنگ پولز سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ اس دوران، فلسطینی دیہات پانی کی راشننگ کرتے ہیں، کبھی کبھی فی کس فی دن صرف 20-50 لیٹر، جو ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے تجویز کردہ کم از کم 100 لیٹر سے بہت کم ہے۔

ایکوفر کی لوٹ مار اور ایکو سائیڈ

سب سے اہم پانی کے ذرائع میں سے ایک ماؤنٹین ایکوفر ہے، جو مغربی کنارے اور اسرائیل میں پھیلا ہوا ہے۔ اسرائیل کی لہری ڈرلنگ۔ فلسطینیوں کے لیے ممنوعہ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے۔ ایکوفر سے زیادہ نکالتی ہے جو یہ پائیدار طور پر فراہم کر سکتا ہے۔ اس زیادہ استحصال نے فلسطینی کنوؤں کو، خاص طور پر اردن کی وادی میں، خشک یا کھارا کر دیا ہے۔

الاعوجہ اور بردالہ جیسے دیہات میں روایتی زراعت تقریباً ناممکن ہو گئی ہے۔ ایک وقت میں ترقی پذیر کھیت ویران ہو چکے ہیں، اور چرواہے پانی کی کمی کی وجہ سے مویشی فروخت کرنے پر مجبور ہیں۔ خود زمین مر رہی ہے۔ یہ صرف اپار تھائیڈ نہیں، یہ ایکو سائیڈ ہے۔

بارش کو جرم بنانا

آسمان بھی آزاد نہیں ہے۔ فلسطینی زرعی برادریوں میں صدیوں سے رائج بارش کے پانی کی جمع آوری کو اکثر جرم قرار دیا جاتا ہے۔ بغیر اجازت کے سسٹرن بنانے یا بارش کا پانی جمع کرنے والے فلسطینی تخریب کے احکامات، جرمانون، یا ضبطی کا سامنا کرتے ہیں۔ اسرائیلی حکام نے ”غیر مجاز“ سمجھے جانے والے علاقوں میں درجنوں سسٹرن تباہ کر دیے ہیں۔ ایک مشہور لیس میں، فوجیوں نے ایک بدوی گاؤں میں بارش کے پانی کے سسٹرن کی دیواروں کو چھید دیا، جس سے جمع شدہ پانی ریت میں بہہ گیا۔

پانی طاقت ہے

پانی کی یہ عسکری کاری کمیابی کے بارے میں نہیں ہے۔ یہ طاقت کے بارے میں ہے۔ اسرائیل کے پاس بانٹنے کے لیے کافی سے زیادہ پانی ہے۔ فلسطینیوں سے جو انکار کیا جا رہا ہے وہ صرف H_2O نہیں ہے، بلکہ عزت، پائیداری، اور اپنی زمین پر رہنے کا حق ہے۔ پانی کو کنٹرول کا آلہ اور تسلط کی علامت میں تبدیل کر کے، قبضہ روزمرہ کی زندگی کو ایک تھکادینے والی، ذلت آمیز بقا کی جدوجہد میں بدل دیتا ہے۔

یہ ماحولیاتی بدانتظامی نہیں ہے۔ یہ اسٹریٹجک محرومی ہے۔ ایک ایسی جنگ جو پائپوں اور پمپوں کے ذریعے لڑی جاتی ہے، جس کا مقصد غیر ضروری سمجھے جانے والوں کے لیے زندگی کو ناقابل برداشت بنانا ہے۔

ماحولیاتی تبدیلی

اسرائیلی اکثر زمین سے گہرے آبائی تعلق کا دعویٰ کرتے ہیں، بائبل، بیانات کا حوالہ دیتے ہیں اور خود کو ”واپس آنے والے مقامی لوگ“ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان کا ماحولیاتی نشان ایک مختلف کہانی بیان کرتا ہے۔ نہ صرف لوگوں کی، بلکہ خود فطرت کی زبردستی بے دخلی کی کہانی۔ زمین کی تزئین کو مستند ماحولیاتی جڑوں کے بجائے نوآبادیاتی آباد کار نظریے کی عکاسی کرنے کے لیے زبردستی تبدیل کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ درخت بھی جھوٹ کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔

مقامی زندگی کا خاتمہ

صدیوں تک فلسطینی دیہات نے مقامی آب و ہوا اور زمین کے ساتھ گہری ہم آہنگی والی زراعت کے ذریعے خود کو برقرار رکھا۔ زیتون کے درخت — کچھ ہزار سال سے زیادہ پرانے — تسلسل اور ثقافت کے زندہ آرکائیوز کے طور پر کھڑے تھے۔ لیموں کے

باغات، انجیر کے درخت، انار کے باغات، اور چوتروں والی پہاڑیاں انسان اور بحیرہ روم کے ماحولیاتی نظام کے درمیان نازک ہم آہنگی کی عکاسی کرتی تھیں۔

لیکن نقبہ کے بعد اور جاری زمین کی چوری کے ساتھ، یہ مقامی درخت لفظی طور پر جڑ سے اکھاڑ دیے جا رہے ہیں۔ کچھ معاملات میں، ہٹانا اسٹریجک ہے: زیتون کے باغات بستیوں یا فوجی زونز کے لیے زمین خالی کرنے کے لیے تباہ کیے جاتے ہیں۔ دوسرے معاملات میں، وہ نسلی صفائی کے ثبوتوں کو چھپانے کے لیے مٹائے جاتے ہیں، تباہ شدہ فلسطینی گھروں کے کھنڈرات کو جنگل کے نقاب سے ڈھانپا جاتا ہے۔ اسرائیلی ریاست اور یہودی قومی فنڈ (JNF) جیسے اداروں نے مقامی انواع کے ساتھ نہیں، بلکہ یورپی دیودار کے ساتھ تیزی سے بڑھنے والے، بانجھ، اور خطے کے لیے اجنبی۔ بڑے پیمانے پر شجرکاری مہمات کی ہیں۔

ماحولیاتی نوآبادیات

یہ دیودار پھل نہیں دیتے۔ وہ مقامی خوراک کے نظام، جنگلی حیات، یا حیاتیاتی تنوع کو سہارا نہیں دے سکتے۔ اس سے بھی بدتر، لڑتی ہوئی رال اور سویوں کی وجہ سے وہ مٹی کو تیزابی بناتے ہیں، مقامی پودوں کو سہارا دینے والے نازک غذائی توازن کو خراب کرتے ہیں۔ ایک وقت میں زرخیز زمین زراعت کے لیے دشمن بن جاتی ہے۔ جڑی بوٹیاں، سبزیاں، اور زیتون، کیکوم، اور بادام جیسے مقامی درخت جڑ نہیں پکڑ سکتے۔

یہ صرف ناقص ماحولیاتی پالیسی نہیں ہے؛ یہ ماحولیاتی نوآبادیات ہے۔ زمین کی تزئین کو یورپی مثالی کی عکاسی کرنے کے لیے تبدیل کرنا، جو مقامی علم یا پائیداری سے منقطع ہے۔ جہاں فلسطینیوں نے زندگی کو پرورش دی، اسرائیلی پالیسی نے بانجھ پن مسلط کیا۔ جہاں زمین کی تزئین نے ایک وقت میں خوراک اور معنی پیش کیے، اب یہ آتش زنی پیش کرتی ہے۔

فطرت کی مزاحمت

لیکن فطرت بھی مزاحمت کرتی ہے۔ یورپی دیودار کے مونو کچر انتہائی آتش گیر ہیں۔ ان کی رال دار سوتیاں، خشک شاخیں، اور گھنے بڑھوتری کے نمونے آگ کے لیے مثالی حالات پیدا کرتے ہیں۔ ہر موسم گرما میں، جنگل کی آگ ان مصنوعی جنگلات کو تباہ کرتی ہے، نہ صرف آس پاس کی بستیوں بلکہ پورے خطے کو خطرے میں ڈالتی ہے۔ آگ اکثر شہروں اور چوکیوں کی بڑے پیمانے پر انخلا کا باعث بنتی ہے، آسمان کو دھوئیں سے بھر دیتی ہے، اور وسیع علاقوں کو جلا کر ناقابل استعمال چھوڑ دیتی ہے۔

یہ ماحولیاتی تباہیاں اسرائیل کی ماحولیاتی تبدیلی کے ناپائیدار بنیادی ڈھانچوں کو بے نقاب کرتی ہیں۔ دیواریں اور چیک پوائنٹس کی طرح درخت بھی ایک قوم کو مٹانے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ لیکن ایسا کرنے سے وہ نئی کمزوریوں کو جنم دیتے ہیں۔ شعلے آباد کار اور ریاست کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ وہ جنگل کے ساتھ ساتھ افسانے کو بھی نکل لیتے ہیں۔

بین الاقوامی امداد

جب آگ بے قابو ہو جاتی ہے۔ جیسے مکمل پہاڑ (2010)، یروشلم کی پہاڑیوں (2021)، اور جلیل (2023) پر۔ اسرائیل اکثر بین الاقوامی امداد مانگتا ہے۔ وہی ریاست جو غزہ کا محاصرہ کرتی ہے اور فلسطینی زمینوں کو بغیر پچھتاہٹ کے الحاق کرتی ہے، آگ بجھانے والے جہازوں، آلات، اور امداد کے لیے غیر ملکی حکومتوں سے التجا کرتی ہے۔ ستم ظریفی واضح ہے: وہی پالیسی جو زمین کو مسخ کرتی ہے اور اس کے لوگوں کو بے دخل کرتی ہے، ریاست کی اپنی لچک کو بھی کمزور کرتی ہے۔

جلی ہوئی زمین کی پالیسی

مقامی ماحولیات کو اجنبی، نازک ماحولیاتی نظاموں سے تبدیل کرنا پورے صیہونی منصوبے کا ایک استعارہ ہے: ایک نوآبادیاتی آباد کار نظریہ جو ایک ایسی زمین پر بیوند کرنے کی کوشش کرتا ہے جو مزاحمت کرتی ہے، ایک ایسی قوم جو ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے، اور ایک فطری ترتیب جو ہمیشہ کے لیے دبائی نہیں جاسکتی۔ درخت صرف خاموش گواہ نہیں ہیں۔ وہ متاثرین ہیں۔ اور کبھی کبھی جنگجو۔

بین الاقوامی قانون کے تحت مضمرات

مقبوضہ فلسطینی علاقوں کی صورتحال صرف اخلاقی طور پر ناقابل دفاع نہیں ہے۔ یہ قانونی طور پر مجرمانہ ہے۔ بین الاقوامی انسانی قانون، بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون، اور پابند کنونشنز کے قائم کردہ اصولوں کے مطابق، اسرائیل کے مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم میں اقدامات سنگین خلاف ورزیوں کی ایک سیریز تشکیل دیتے ہیں، جن میں سے بہت سے جنگی جرائم اور انسانیت کے خلاف جرائم کی سطح تک پہنچتے ہیں۔

1. غیر قانونی آبادی کی منتقلی

1949 کے جنیوا کنونشن کی چوتھی دفعہ، آرٹیکل 49(6)، واضح طور پر ایک مقبوضہ طاقت کو اپنی سول آبادی کے کسی حصے کو مقبوضہ علاقے میں منتقل کرنے سے منع کرتی ہے۔ مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم میں اسرائیلی بستیوں، جو 700,000 سے زائد آبادکاروں کی میزبانی کرتی ہیں، اس شق کی براہ راست خلاف ورزی ہیں۔ یہ بستیاں صرف ”متنازعہ محلات“ نہیں ہیں۔ یہ مقبوضہ زمینوں کی منظم نوآبادیات ہیں، جو دوسری عالمی جنگ کے بعد بین الاقوامی قانون کے بنیادی اصولوں میں سے ایک کے منافی ہیں۔

2. بین الاقوامی عدالت انصاف کی مشاورتی رائے (2024)

2024 میں، بین الاقوامی عدالت انصاف (ICJ) نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کو ایک پابند مشاورتی رائے جاری کی، جس نے تصدیق کی کہ:

- مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم میں اسرائیلی بستیاں بین الاقوامی قانون کے تحت غیر قانونی ہیں؛
- تمام آبادکاروں کو واپس بلایا جانا چاہیے؛
- اسرائیل فلسطینی عوام کو طویل قبضے، زمین کی ضبطی، وسائل کے استحصال، اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے لیے معاوضہ ادا کرنے کا پابند ہے۔

ICJ نے یہ بھی دہرایا کہ تیسری ریاستوں کی قانونی ذمہ داری ہے کہ وہ اسرائیلی پالیسیوں سے پیدا ہونے والی غیر قانونی صورت حال کو تسلیم نہ کریں یا اس کی مدد نہ کریں۔ دوسرے لفظوں میں، تجارت، ہتھیاروں کی فروخت، یا سفارتی تحفظ کے ذریعے شراکت داری خود بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہے۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اس رائے کو زبردست اکثریت سے اپنایا، جس نے بین الاقوامی روایتی قانون کے تحت اہم قانونی وزن دیا۔ اگرچہ مشاورتی آراء خود قابل نفاذ نہیں ہیں، لیکن وہ بین الاقوامی قانونی اتفاق رائے کو کوڈفائی کرتی ہیں اور موجودہ معاہدوں کے تحت ریاستوں کی ذمہ داریوں کی تصدیق کرتی ہیں۔

3. قدرتی وسائل کا غیر قانونی استحصال

1907 کے ہیگ رولز (آرٹیکل 55-56) اور جنیوا چوتھا کنونشن کے مطابق، ایک مقبوضہ طاقت کو عارضی منظم کے طور پر عمل کرنا چاہیے، جسے مقبوضہ علاقے کے قدرتی وسائل کو مستقل طور پر استحصال یا ختم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اسرائیل کے اقدامات - میکوروٹ کے ذریعے مغربی کنارے کے پانی کی اجارہ داری سے لے کر فلسطینیوں کی ایکوفرز تک رسائی کو محدود کرنے، اور وسائل کو صرف آبادکاروں کے استعمال کے لیے موڑنے تک - منظم لوٹ مار تشکیل دیتے ہیں۔ پانی سے انکار اور زرعی نظاموں کی تباہی بین الاقوامی فوجداری عدالت کے روما سٹیٹس (آرٹیکل 8(2)(b)(xvi)) کے تحت ایک جنگی جرم، لوٹ مار کے مترادف ہے۔

4. زبردستی بے دخلی اور گھروں کی تخریب

بین الاقوامی انسانی قانون زبردستی بے دخلی کو منع کرتا ہے، سوائے فوری حفاظتی یا انسانی وجوہات کے، اور وہ بھی صرف عارضی طور پر۔ روما سٹیٹس (آرٹیکل 7(1)(d)) "آبادی کی جلاوطنی یا زبردستی منتقلی" کو، جب ایک وسیع یا منظم حملے کے حصے کے طور پر کیا جائے، انسانیت کے خلاف جرم کے طور پر درجہ بندی کرتا ہے۔

شیخ جراح جیسے علاقوں میں باقاعدہ گھروں کی تخریب، اغراج کے احکامات، اور مسفریٹا جیسے علاقوں میں زبردستی بے دخلی - جو اکثر بستیوں کی توسیع یا فوجی زونز کے اعلان کے لیے ہوتی ہیں - اس تعریف کے ساتھ واضح طور پر مطابقت رکھتی ہیں۔

5. انسانیت کے خلاف جرم کے طور پر اپار تھائیڈ

شاید مغربی کنارے پر اسرائیلی نظام کی سب سے تباہ کن قانونی درجہ بندی اپار تھائیڈ ہے - ادارہ جاتی نسلی تسلط کا نظام - فلسطینی اور اسرائیلی آبادکار مکمل طور پر الگ قانونی نظاموں کے تحت رہتے ہیں:

- فلسطینی اسرائیلی فوجی قانون کے تحت حکمرانی کرتے ہیں، فوجی عدالتوں میں مقدمات کی سماعت کی جاتی ہے، نقل و حرکت کی آزادی سے محروم ہوتے ہیں، اور اجتماعی سزاؤں کا سامنا کرتے ہیں۔
- آبادکار، جو اکثر صرف چند میٹر دور ہوتے ہیں، اسرائیلی سول قانون کے تحت حکمرانی کرتے ہیں، مکمل حقوق اور تحفظات سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور تقریباً مکمل سزا سے استثنیٰ کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔

یہ دوہرا قانونی نظام، منظم زمین کی چوری، علیحدگی، اور سیاسی حقوق کے دباؤ کے ساتھ مل کر، درج ذیل کے مطابق اپار تھائیڈ کی قانونی تعریف کو پورا کرتا ہے:

- اپار تھائیڈ جرم کی روک تھام اور سزا کے بارے میں بین الاقوامی کنونشن (1973):
- ICC روما سٹیٹس (آرٹیکل 7(2)(h)):

• اور بین الاقوامی روایتی قانون، جو نسلی امتیاز اور تسلط کو منع کرتا ہے۔

اپارٹھائیڈ صرف ایک سیاسی الزام نہیں ہے۔ یہ انسانیت کے خلاف ایک جرم ہے، اور جو اسے ڈیزائن کرتے ہیں، نافذ کرتے ہیں، یا اس کی حمایت کرتے ہیں وہ بین الاقوامی مقدمہ بازی کا سامنا کر سکتے ہیں۔

بین الاقوامی برادری کی ذمہ داریاں

اسرائیل کا مغربی کنارے پر قبضہ صرف ایک حل نہ ہونے والا سیاسی تنازعہ نہیں ہے۔ یہ ایک مجرمانہ منصوبہ ہے، جو تشدد کے ذریعے برقرار رکھا جاتا ہے، امتیازی قوانین کے نیٹ ورک کے ذریعے ممکن بنایا جاتا ہے، اور بین الاقوامی قانون کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزیوں کے ذریعے سہارا دیا جاتا ہے۔ قانونی فریم ورک واضح ہیں: جو کچھ ہو رہا ہے وہ غیر قانونی ہے، اور دنیا صرف مذمت کرنے کے بجائے عمل کرنے کی پابند ہے۔

اس میں شامل ہیں:

- اقوام متحدہ کے قراردادوں کو نافذ کرنا؛
- بین الاقوامی تحقیقات اور مقدمہ بازی کی حمایت کرنا؛
- مقبوضہ طاقت کو فوجی، معاشی، اور سفارتی حمایت ختم کرنا؛
- اور فلسطینی عوام کے لیے انصاف اور معاوضہ کو یقینی بنانا۔

بین الاقوامی قانون کا معنی صرف اس وقت ہوتا ہے جب اسے نافذ کیا جائے۔ اور فلسطین میں اس کا نفاذ بہت پہلے سے تاخیر کا شکار ہے۔

بین الاقوامی شراکت داری اور نفاذ کی ناکامیاں

فلسطینیوں کی انصاف، عزت، اور خود ارادیت کے لیے جدوجہد کو اکثر ایک مقامی یا علاقائی تنازعہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں، یہ ایک وسیع تر تاریخی قوس کا حصہ ہے۔ جو 17 ویں اور 18 ویں صدی کی یورپ میں روشن خیالی کی مطلق العنان بادشاہت کے خلاف جدوجہد کی عکاسی کرتی ہے۔ اس وقت، جیسا کہ اب، ایک غالب طاقت نے الہی اختیار کا دعویٰ کیا کہ وہ حکمرانی کرے، جائیداد ضبط کرے، اور یہاں تک کہ فیصلہ کرے کہ کون جنے گا اور کون مرے گا۔ اس

وقت خدا کی مرضی کا حوالہ دینے والے بادشاہ تھے؛ اب یہ ایک ایسی ریاست ہے جو ایک پوری قوم کی نوآبادیات اور تابعداری کو جائز قرار دینے کے لیے الہی حق کا حوالہ دیتی ہے۔

جو کبھی بادشاہوں کا الہی حق کہلاتا تھا، وہ آبادکاروں کا الہی حق بن گیا ہے۔ لیکن یورپ کی بادشاہتوں کے برعکس، جو بڑی حد تک تاریخ کے رسمی آثار میں تبدیل ہو چکی ہیں، فلسطین پر اسرائیل کا نظام غیر محدود بالادستی کا ایک پرانا اظہار بنا ہوا ہے، جو ان اداروں سے الگ تھلگ ہے جو ایسی زیادتیوں کو روکنے کے لیے بنائے گئے تھے۔

سیکیورٹی کونسل کی مفلوجیت

اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 94 کے مطابق، اقوام متحدہ کی سیکیورٹی کونسل (UNSC) بین الاقوامی عدالت انصاف (ICJ) کے فیصلوں کو نافذ کرنے کی بنیادی ذمہ داری رکھتی ہے۔ لیکن جب ICJ نے اپنی 2024 کی مشاورتی رائے میں اعلان کیا کہ اسرائیلی بستیوں غیر قانونی ہیں اور انہیں ہٹایا جانا چاہیے، سیکیورٹی کونسل نے کچھ نہیں کیا۔ کیوں؟ کیونکہ امریکہ ایک مستقل رکن۔ اپنے ویٹو کے حق کو استعمال کر کے اسرائیل کو ہر نتیجے سے بچاتا ہے۔

دہائیوں سے، امریکہ نے اسرائیل کی بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزیوں کی مذمت کرنے والی درجنوں قراردادوں کو ویٹو کیا، جن میں پابندیوں، جنگ بندی، یا آزادانہ تحقیقات کے مطالبات کو روکا گیا۔ یہ اصول پر بنی سفارت کاری نہیں ہے۔ یہ انصاف کی منظم رکاوٹ ہے۔ اپنے ویٹوز کے ذریعے، واشنگٹن نے سیکیورٹی کونسل کو فلسطینی حقوق کی قبرستان میں تبدیل کر دیا ہے۔

یورپی منافقت: جرمنی اور یورپی یونین

جبکہ امریکہ سیکیورٹی کونسل میں دفاعی کھیلتا ہے، جرمنی اور یورپی یونین کے دیگر رکن ممالک زیادہ لطیف کھیلتے ہیں۔ اپنے نازی ماضی سے پریشان جرمنی نے اسرائیل کی غیر مشروط حمایت کو ریاستی عقیدہ بنا دیا ہے، یہاں تک کہ جب یہ حمایت بین الاقوامی انسانی حقوق کے معاہدوں اور قتل عام کے کنونشن کے تحت اس کی قانونی ذمہ داریوں سے متصادم ہوتی ہے۔ جب اسرائیل غزہ کو بھوکا رکھتا ہے اور مغربی کنارے پر فلسطینیوں کو بے دخل کرتا ہے، جرمنی ہتھیار، پیسہ، اور سفارتی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اور یورپی یونین کی سطح پر پابندیوں یا تجارتی پابندیوں کو روکنے کے لیے پس منظر میں کام کرتا ہے۔

اس نے بین الاقوامی قانون کو خود ایک اپارٹھائیڈ نظام میں تبدیل کر دیا ہے، جہاں نفاذ جرم کی شدت پر نہیں، بلکہ مرگب کی شناخت پر منحصر ہے۔ وہی اعمال جو اگر روس، ایران، یا میانمار کے ذریعے کیے جاتے تو مذمت، پابندیاں، یا مقدمہ بازی کا

باعث بنتے، جب اسرائیل کے ذریعہ کیے جاتے ہیں تو مقدس قرار پاتے ہیں سیخام واضح ہے: کچھ جانیں دوسروں سے زیادہ قیمتی ہیں، اور کچھ ریاستیں قانون سے بالاتر ہیں۔

عالمی قانونی جواز کا بحران

یہ منافقت نہ صرف فلسطینیوں کے لیے بلکہ خود بین الاقوامی نظام کی ساکھ کے لیے بھی تباہ کن نتائج رکھتی ہے۔ رومانیٹس کا کیا معنی ہے اگر اس کا اطلاق انتخابی طور پر کیا جائے؟ اقوام متحدہ کی قراردادوں کا کیا وزن ہے جب وہ کچھ ریاستوں پر نافذ کی جاتی ہیں لیکن دوسروں پر نہیں؟ قتل عام یا اپارٹھائیڈ کے متاثرین کو کیا امید ہو سکتی ہے جب سب سے طاقتور قویں کھلم کھلا انصاف کو کمزور کرتی ہیں؟

یہ صرف شراکت داری نہیں ہے۔ یہ تعاون ہے۔ نتائج کو روک کر، یہ حکومتیں غیر جانبدار مبصرین نہیں ہیں، بلکہ جرم کے فعال شریک ہیں۔

الہی استثنائیت کے افسانے کا خاتمہ

اب وقت ہے کہ اس تصور کو ختم کیا جائے کہ ”خدا کے چنے ہوئے لوگ غلط نہیں کر سکتے“۔ ایک افسانہ جو نوآبادیات، بڑے پیمانے پر بے دخلی، اور اپارٹھائیڈ کو جائز قرار دینے کے لیے ہتھیار بنایا گیا ہے۔ کوئی بھی ریاست۔ اس کی تاریخ، مذہب، یا شناخت سے قطع نظر۔ کو بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرنے، ایک قوم کو بے دخل کرنے، یا اپنے اعمال کے نتائج سے مستثنیٰ ہونے کا حق نہیں ہے۔

”دوبارہ کبھی نہیں“ کا وعدہ عالمی ہونا چاہیے تھا۔ نہ صرف یہود کے لیے، بلکہ کسی کے لیے بھی دوبارہ کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔ یہ وعدہ کھوکھلا ہو جاتا ہے جب اسے جبر کو روکنے کے بجائے جبر کو جائز قرار دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ایک سیکولر اور منصفانہ عالمی نظام کی طرف

اب ضرورت مزید بیان بازی کی نہیں ہے، بلکہ ایک سیکولر، قواعد پر مبنی بین الاقوامی نظام کی ہے جہاں بین الاقوامی قانون سب پر برابر لاگو ہوتا ہے۔ اتحادیوں، اسرائیل، نوآبادیاتی آباد کار نظاموں سمیت۔ قانون تب ہی ایک نعرے سے زیادہ ہو سکتا ہے جب اسے بے خوف اور بلا تعصب نافذ کیا جائے۔

جہان نے روانڈا میں، بوسنیا میں، میانمار میں، اور اب فلسطین میں بہت لمبا عرصہ دیکھا ہے۔ ہر بار بین الاقوامی قانون کے اداروں کا امتحان ہوتا ہے۔ ہر بار ان کی ناکامی متاثرین کے خون سے لکھی جاتی ہے۔

تاریخ خاموشی کو معاف نہیں کرے گی۔ یہ دوہرے معیارات کو معذرت نہیں کرے گی۔ یہ سفارت کاری کے روپ میں الہی استثنائیت کو برداشت نہیں کرے گی۔

اب عمل کرنے کا وقت ہے۔ نہ صرف فلسطین کے لیے، بلکہ خود بین الاقوامی قانون کے مستقبل کے لیے۔

دو ریاستی حل کا فریب

جب غزہ میں قتل عام اپنے دوسرے سال میں داخل ہو رہا ہے، دنیا بھر کی بہت سی حکومتیں اپنی ساکھ کو علامتی اشاروں سے بچانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ سب سے نمایاں ستمبر میں اقوام متحدہ کے سربراہی اجلاس میں فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کا نیا مطالبہ ہے۔ تاہم، اس تباہ کن تشدد کے درمیان یہ دیر سے کیا گیا تسلیم ایک سنجیدہ انصاف کا عمل نہیں ہے۔ یہ گاسلا تنگ ہے، بین الاقوامی غیر عملی کو خالی اعلانات کے ساتھ چھپانے کا ایک طریقہ ہے۔

دو ریاستی حل کا خیال بہت پہلے مرچکا تھا۔ اب اسے امن کی راہ کے طور پر نہیں، بلکہ اسرائیل کے حتمی تباہی کے اعمال کو ممکن بنانے کے لیے ایک دھوئیں کی سکرین کے طور پر زندہ کیا جا رہا ہے۔

مشروط تسلیم

لٹی ریاستوں نے فلسطین کو تسلیم کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ لیکن صرف گھناؤنی شرائط کے تحت:

- فرانس نے فلسطینیوں سے غیر مسلح ہونے کا مطالبہ کیا، یعنی ایک محصور، بھوک سے مرنے والی، اور بمباری شدہ قوم سے اپنی آخری مزاحمتی صلاحیت ترک کرنے کی درخواست کی، جبکہ اسرائیل اپنا محاصرہ اور غیر قانونی قبضہ جاری رکھتا ہے۔

- برطانیہ نے تسلیم کو اسرائیل کے قتل عام کے حملے کی جاری رہنمائی سے مشروط کیا۔ یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ تسلیم کو "اسرائیل کے خود دفاع کے حق کی حمایت" کرنی چاہیے، یہاں تک کہ اگر یہ "دفاع" بڑے پیمانے پر بھوک، زبردستی بے دخلی، اور فوجی قبضے کی شکل میں ہو۔

یہ تسلیم نہیں ہے؛ یہ زبردستی ہتھیار ڈالنے کی پیشکش ہے۔ اس سے فلسطینیوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی تابعداری، ٹکڑوں میں تقسیم، اور خاتمے کو کاغذ پر تسلیم کے بدلے قبول کریں۔ سفارت کاری کی ایک ظالمانہ نقالی۔

اس دوران، اسرائیل ان ریاستوں پر حملہ کرتا ہے، ان پر ”دہشت گردی کو انعام دینے“ کا الزام لگاتا ہے۔ لیکن یہ کیتلی کا دیگ کو کالا کہنا ہے۔

اسرائیلی ریاست کی دہشت گردانہ ابتدا

اگر دہشت گردی کی مذمت کی جانی ہے، تو اسرائیل کی بنیاد کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ صہیونی نیم فوجی گروہ ارگن، لیہی (“اسٹرن گینگ”)، اور ہگانہ۔ سب اسرائیلی دفاعی افواج (IDF) کے پیش رو۔ نے برطانوی مینڈیٹ کے دوران تشدد آمیز حملوں کی ایک لہر چلائی:

- کنگ ڈیوڈ ہوٹل پر بمباری (1946) نے 91 افراد کی جان لی۔
- اقوام متحدہ کے ایلچی فولک برناڈوٹ کا قتل (1948) لیہی نے امن کی کوششوں کو روکنے کے لیے کیا۔
- روم میں برطانوی سفارتخانہ 1946 میں بم دھماکے سے اڑا گیا۔
- بے شمار پلوں، بازاروں، اور عرب دیہات پر حملہ کیا گیا اور تباہ کر دیا گیا۔

آج کے معیارات کے مطابق، یہ اعمال واضح طور پر دہشت گردی کے طور پر درجہ بندی کیے جائیں گے۔ لیکن جب اسرائیل اس تشدد سے ابھرا، اسے الگ تھلگ یا سزا نہیں دی گئی۔ اسے مغرب نے گلے لگایا۔

پیغام واضح ہے: جب اسرائیل تشدد کا استعمال کرتا ہے، یہ بہادری ہے؛ جب فلسطینی مزاحمت کرتے ہیں، یہ دہشت گردی ہے۔ یہ دوہرا معیار بین الاقوامی گفتگو کو متعین کرتا رہتا ہے۔

دنیا بات کرتی ہے جبکہ حقائق بناتے جاتے ہیں

جب عالمی رہنما علامتی تسلیم پر بحث کرتے ہیں، اسرائیل زمین پر حقائق بناتا رہتا ہے:

- مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم میں غیر قانونی بستیاں مسلسل بڑھ رہی ہیں۔ تسلیم انہیں جادوئی طور پر ختم نہیں کرے گا یا چوری شدہ زمین واپس نہیں کرے گا۔

- غزہ میں، ہم بات کرتے وقت لوگ مر رہے ہیں۔ IPC (انٹیگریٹڈ فوڈ سیکیورٹی فیزکلائزیشن) نے فیز 5 میں تباہ کن، ناقابل واپسی بھوک کا اعلان کیا۔ شیر خوار، بوڑھے، اور بیمار غذائی کمی کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کے جان بوجھ کر انکار کی وجہ سے مر رہے ہیں۔

یہاں تک کہ اگر خوراک تک رسائی اچانک بحال ہو جائے۔ جو کہ نہیں ہو رہی۔ نقصان ناقابل واپسی ہے:

- غذائی اجزاء سے محروم بچوں کے دماغ کبھی مکمل طور پر ترقی نہیں کریں گے، جس سے تاحیات علمی نقائص پیدا ہوں گے۔
- اسکولوں اور یونیورسٹیوں کو منظم طور پر بمباری کی گئی، جس نے ایک پوری نسل کی تعلیم تک رسائی کو تباہ کر دیا۔
- نفسیاتی صدمات، یتیمی، اور بڑے پیمانے پر اعضاء کاٹنے نے جدید تاریخ میں کسی بھی چیز سے مختلف درد کا ایک ورثہ پیدا کیا ہے۔ غزہ میں اب دنیا میں سب سے زیادہ کٹے ہوئے بچوں کی تعداد ہے۔ ایک گھناؤنا ریکارڈ جو کسی کو نہیں رکھنا چاہیے۔

فلسطینیوں سے یہ تجویز کرنا کہ وہ اس کے سامنے غیر مسلح ہو جائیں امن کی پیشکش نہیں ہے۔ یہ ایک خودکشی کا معاہدہ ہے۔ زمین پر کوئی قوم اس وقت ہتھیار نہیں ڈالے گی جب اسے منظم طور پر بھوکا رکھا جا رہا ہو، بمباری کی جا رہی ہو، اور ختم کیا جا رہا ہو۔

تسلیم نوآبادیات کو نہیں روکتا

ریاستی حیثیت تحفظ کی ضمانت بھی نہیں دیتی۔ شام ایک تسلیم شدہ ریاست تھی جب اسرائیل نے گولان ہائٹس پر قبضہ کیا اور بعد میں الحاق کیا۔ لبنان اور ایران اسرائیلی فضائی حملوں، قتلوں، اور تخریب کاری کے نشانے بنے ہیں۔ تسلیم نے کبھی جارحیت کو نہیں روکا جب جارح مکمل سزا سے استثنیٰ سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

غزہ اور مغربی کنارے کو دو الگ مسائل سمجھنا معاملے کی اصل کو مکمل طور پر غلط سمجھنا ہے۔ یہ ایک ہی جنگ کے دو محاذ ہیں۔ فلسطینی قوم کو ختم کرنے کی جنگ:

- غزہ بھوک اور بمباری کے ذریعے خاتمے کا سامنا کر رہا ہے۔
- مغربی کنارہ آبادکاروں کے تشدد، پانی کی چوری، فوجی قبضے، اور رینگتے ہوئے الحاق سے گھٹ رہا ہے۔

دونوں خاتے کے لیے ایک مربوط حکمت عملی کا حصہ ہیں۔

بالادستی کے تحت ہم آہنگی ممکن نہیں

جہاں فلسطینیوں سے کیسے توقع کر سکتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ ساتھ رہیں جو:

- ان کے خاتے کی کھلے عام وکالت کرتے ہیں؛
- ان کے بچوں کو قتل کرتے ہیں؛
- ان کا پانی چوری کرتے ہیں؛
- اور ان کے کھنڈروں پر گھر بناتے ہیں؟

اگر غیر مسلح ہونا ضروری ہے، تو اس کا آغاز اسرائیل سے ہونا چاہیے۔ مقبوضہ طاقت، جوہری ہتھیاروں کی حامل، اور اس اپارٹھائیڈ نظام کی معمار۔ اگر آبادکار ان لوگوں کی موجودگی میں خود کو ”غیر محفوظ“ محسوس کرتے ہیں جنہیں انہوں نے بے دخل کیا، تو وہ ان ممالک میں واپس جاسکتے ہیں جہاں سے وہ آئے۔

ایک گھڑی ہوئی تاریخ

صیہونی نوآبادیات سے پہلے، یہود، عیسائی، اور مسلمان عثمانی سلطنت کے تحت صدیوں تک ایک ساتھ رہتے تھے۔ یہ نازک ہم آہنگی فلسطینیوں کی طرف سے نہیں، بلکہ سیاسی صیہونیت کے نظریے نے توڑ دی، جس کا مقصد پہلے سے آباد زمین پر ایک یہودی ریاست بنانا تھا۔

1933 میں، صیہونی تحریک نے حتیٰ کہ نازی جرمنی کے ساتھ ہاوارا معاہدہ پر دستخط کیے، جس نے معاشی تعاون کے بدلے ہزاروں جرمن یہودیوں کی فلسطین منتقلی کو آسان بنایا۔ یورپ میں یہودی اینٹی فاشسٹ مزاحمت کے ساتھ دھوکہ۔

آبادیاتی تبدیلی فطری نہیں تھی:

• 1917: فلسطین کا ~95% عربی بولتا تھا؛ 1% سے کم عبرانی بولتے تھے۔

• 1922: ~6% عبرانی بولتے تھے۔

• 1931: ~12%۔

• 1947: ~31%۔

یہ ایک ”واپسی“ نہیں تھی۔ یہ ایک نوآبادیاتی آباد کار تبدیلی تھی۔

جیسا کہ اسرائیلی مبصر اوی گرنبرگ نے ایکس پریس میں فریڈرک سے نوٹ کیا:

”برطانیہ: ستمبر میں ہم فلسطینی ریاست کو تسلیم کریں گے۔“ ٹھیک ہے۔ ستمبر میں، خدا چاہے تو، تسلیم کرنے کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔“

یہ وہ راستہ ہے جس پر ہم چل رہے ہیں۔ اور اگر دنیا اب عمل نہیں کرتی۔ صرف الفاظ سے نہیں، بلکہ نتائج کے ساتھ۔ تو یہ پیش گوئی سچ ہو سکتی ہے۔

نتیجہ: غیر جانبداری کا وقت ختم ہو چکا ہے

جہان نے کہا ”دوبارہ کبھی نہیں“۔ یہ ایک عالمی وعدہ ہونا چاہیے تھا۔ نہ صرف ایک قتل عام کے متاثرین کے لیے، بلکہ ہر جگہ، ہر وقت، تمام اقوام کے لیے۔ یہ وعدہ اب غزہ کے کھنڈروں اور مغربی کنارے کے تباہ شدہ دیہات کے نیچے برباد ہو چکا ہے۔

شواہد ناقابل تردید ہیں۔ فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک ”تنازعہ“ نہیں ہے۔ یہ ایک ”تنازعہ“ نہیں ہے۔ یہ ایک قوم کو ختم کرنے کی ایک دانستہ، منظم کوشش ہے۔ بھوک، بے دخلی، بمباری، ماحولیاتی تباہی، اور اپارٹھائڈ قوانین کے ذریعے۔ غزہ بھوکا مر رہا ہے۔ مغربی کنارہ، گاؤں بے گاؤں، ٹکڑوں میں بٹ رہا ہے۔ مل کر، وہ نوآبادیات اور خاتمے کا ایک واحد منصوبہ تشکیل دیتے ہیں۔

بین الاقوامی قانون واضح ہے۔ ICJ نے اپنا فیصلہ سنایا ہے۔ کنونشنز لکھے جا چکے ہیں۔ معاہدے پابند ہیں۔ جو چیز غائب ہے وہ علم نہیں ہے۔ ارادہ ہے۔ اور یہ ناکامی اقوام متحدہ کی سیکوریٹی کونسل میں کہیں زیادہ واضح نہیں ہے، جو امریکی ویٹو سے مفلوج ہو چکی ہے، جو اسرائیل کو جوابدہی سے بچاتی ہے اور اس کے جرائم کو ممکن بناتی ہے۔

لیکن پھر بھی ایک راستہ موجود ہے۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی ریزولوشن 377 (”امن کے لیے اتحاد“) کے مطابق، جب سیکوریٹی کونسل کسی مستقل رکن کے ویٹو کی وجہ سے عمل نہیں کر سکتی، جنرل اسمبلی کے پاس اس مفلوجیت کو دور کرنے کا قانونی اختیار ہے۔ یہ ایک ہنگامی اجلاس طلب کر سکتی ہے اور اجتماعی عمل کی سفارش کر سکتی ہے۔ طاقت کے استعمال سمیت۔ امن کی بحالی اور بین الاقوامی قانون کی سنگین خلاف ورزیوں کا سامنا کرنے والی آبادیوں کی حفاظت کے لیے۔

جنرل اسمبلی کو اب اس اختیار کو استعمال کرنا چاہیے۔

اسے چاہیے کہ:

- تسلیم کرے کہ ایک قتل عام جاری ہے؛
- مغربی کنارے پر اپارٹھائیڈ نظام کی مذمت کرے؛
- فلسطینی شہریوں کے لیے فوجی تحفظ کی اجازت دے؛
- اور اسرائیل کے محاصرے، قبضے، اور بستیوں کی توسیع کے فوری خاتمے کا مطالبہ کرے۔

یہ بنیاد پرست نہیں ہے۔ یہ قانونی ہے۔ یہ ضروری ہے۔ اور یہ بہت پہلے سے تاخیر کا شکار ہے۔

اقوام متحدہ دوسری عالمی جنگ کے راکھ سہیدا ہوئی تھی۔ اس کا چارٹر اس ہولناکی کو روکنے کے لیے لکھا گیا تھا جو ہم اب دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ اب عمل نہیں کر سکتی، جب بچوں کو جان بوجھ کر بھوکا رکھا جا رہا ہو اور پورے شہر بغیر سزا کے نقشے سے مٹائے جا رہے ہوں، تو اس نے اپنے بنیادی مشن میں ناکامی کا مظاہرہ کیا ہے۔

بین الاقوامی برادری کو ایک انتخاب کرنا ہوگا: کیا وہ قانون، انصاف، اور انسانیت کے لیے کھڑی ہوگی۔ یا استثنائیت، منافقت، اور قتل عام کے لیے؟

فلسطین ایک امتحان ہے۔ اور تاریخ دیکھ رہی ہے۔